عمیرہ احمد

آبِ حیات

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایرِ رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہیں جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ ا
ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور ا
اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص۔۔۔ سم
اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں
فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سراغ جاتا ہے۔

5۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال
کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔
6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ بچی
نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک حرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست
اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ
سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد، مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ
کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرا دی۔
8۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کر رہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کر دی اور ترمیم شدہ باب
کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔
7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کر دیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی
نے پھر ڈانس کی آفر کی مرد نے اس بار بھی انکار کر دیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے
کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔
4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور
کر دیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

سولہویں قسط

ناشتے کی میز پر امامہ نے جبریل کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں جو سلام کر کے سالار یا امامہ سے نظریں ملائے بغیر آکر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

امامہ نے اس کا ماتھا چھو کر جیسے ٹمپریچر معلوم کرنے کی کوشش کی۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔" جبریل کچھ گھبرایا۔ نظریں اٹھائے بغیر اس نے پلیٹ میں پڑا آملیٹ چھری اور کانٹے سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہوئے جیسے امامہ کی توجہ اپنے چہرے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سالار نے بھی اسی لمحے جبریل کو دیکھا تھا لیکن کچھ کہا نہیں۔

"تم جاگتے رہے ہو کیا ساری رات؟" امامہ کو اس کی آنکھیں ابھی بھی تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"نہیں ممی! یہ بہت رویا ہے۔"

اس سے پہلے کہ جبریل کوئی اور بہانہ بنانے کی کوشش کرتا' حمین نے سلائس کا کونا دانتوں سے کاٹتے ہوئے بے حد اطمینان سے جبریل کو جیسے بھرے بازار میں ننگا کر دیا۔ کم از کم جبریل کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ ٹیبل پر موجود سب لوگوں کی نظریں بیک وقت جبریل کے چہرے پر گئیں' وہ جیسے پانی پانی ہوا۔

ایک بھی لفظ کہے بغیر امامہ نے سالار کو دیکھا' سالار نے نظریں چرائیں۔

سلائس کے کونے کترتا ہوا حمین' بے حد اطمینان سے' رات کے اندھیرے میں بستر میں چھپ کر بہائے گئے ان آنسوؤں کی تفصیلات کسی کمنٹری کرنے والے کے انداز میں بغیر رکے 'بتاتا چلا جا رہا تھا۔

"جبریل روز روتا ہے۔ اور اس کی آوازوں کی وجہ سے میں سو نہیں پاتا۔ اور جب میں اس سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ جاگ رہا ہے تو وہ جواب نہیں دیتا۔ ایسے ظاہر کرتا ہے جیسے وہ سو رہا ہے۔ مگر مجھے۔"

ناشتے کی میز پر حمین کے انکشافات نے ایک عجیب سی خاموشی پیدا کر دی تھی۔

"اور ممی مجھے پتا ہے کہ یہ کیوں روتا ہے۔"

حمین کے آخری جملے نے امامہ اور سالار کے پیروں کے نیچے سے نئے سرے سے زمین کھینچی تھی۔

"لیکن میں یہ بتاؤں گا نہیں کیونکہ میں نے جبریل سے پرامس کیا ہے کہ میں کسی سے اس کو شیئر نہیں کروں گا۔ میں کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

حمین نے اعلان کرنے والے انداز میں ایک ہی سانس میں انہیں چونکایا اور دہلایا۔ سالار اور امامہ دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا رد عمل ظاہر کریں۔ خاموش رہیں۔ حمین کو کریدیں۔ جبریل سے پوچھیں۔ کریں کیا؟ کہو جائیں کیا۔

"میں تو نہیں روتا۔"

حمین کے خاموش ہونے کے بعد ماں باپ کو دیکھتے ہوئے جبریل نے حلق میں پھنسی ہوئی آواز کے ساتھ جیسے اپنا پہلا دفاع کرنے کی کوشش کی اور حمین نے اس پہلی کوشش کو پہلے ہی وار میں زمین بوس کر دیا۔

"اوہ مائی گاڈ! اب تم جھوٹ بھی بول رہے ہو۔"

"تم حافظ قرآن ہو کر جھوٹ بولتے ہو۔"

سلائس کا آخری بچا ہوا ٹکڑا ہاتھ میں پکڑے حمین سکندر نے اپنی آنکھوں کو حتی المقدور پھیلایا۔ جبریل پر کچھ اور پانی پڑا۔ اس کا چہرہ کچھ اور سرخ ہوا۔

"ممی! جھوٹ بولنا گناہ ہے نا؟"
حمین نے جیسے ماں سے تصدیق کرنے کی کوشش کی۔
"حمین! خاموش ہو جاؤ اور ناشتا کرو۔" اس بار سالار نے مداخلت کی اور اسے کچھ سخت لہجے میں گھر کا اپنے
تواس بحال کرنے کے بعد صورت حال کو سنبھالنے اور جبریل کو اس سے نکالنے کی یہ اس کی پہلی کوشش تھی۔
امامہ اب بھی سرد ہاتھوں کے ساتھ وہاں بیٹھی جبریل کو دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے اس نے دعا کی تھی کہ جبریل کچھ
نہ جانتا ہو۔ اس کے آنسوؤں کی وجہ وہ نہ ہو جو وہ سمجھ رہی ہے۔ اور حمین۔ اس نے حمین کو کیا بتایا تھا؟
ناشتا ختم کرنے تک سالار نے حمین کو دوبارہ اس کے احتجاج کے باوجود منہ کھولنے نہیں دیا تھا۔
ان چاروں کو پورچ میں کھڑی گاڑی میں بٹھانے اور ڈرائیور کے ساتھ اسکول بھیجنے کے بعد امامہ' سالار کے
پیچھے اندر آگئی تھی۔
"جبریل کو میری بیماری کے بارے میں پتا ہے۔"
سالار نے اندر آتے ہوئے مدھم آواز میں اسے بتایا۔ وہ اس کے پیچھے آتے آتے رک گئی۔ پاؤں اٹھانا بھی
کبھی دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے' یہ اس لمحے اسے معلوم ہوا تھا۔ کچھ حلق میں بھی اٹکا تھا۔ پتا نہیں وہ
سانس تھا یا پھندا۔ تو اس دن وہ اسے ہی تسلیاں دے رہا تھا اور اسے جو لگ رہا تھا کہ شاید جبریل کو کچھ پتا لگ گیا
ہے۔ شاید جبریل کچھ پریشان لگ رہا ہے۔ وہ وہم نہیں تھا۔
"رات کو بات ہوئی تھی میری اس سے۔" سالار اسے بتا رہا تھا۔
"کب۔؟" اس نے بمشکل آواز نکالی۔
"رات گئے۔ تم سو رہی تھیں۔ میں لاؤنج میں کسی کام سے گیا تھا' وہ کمپیوٹر پر برین ٹیومر کے علاج کے بارے
میں جاننے کے لیے میڈیکل ویب سائٹ کھولے بیٹھا تھا۔ وہ کئی ہفتوں سے ساری ساری رات یہی کر رہا ہے۔
میں نے پوچھا نہیں۔ اسے کس نے بتایا' کب پتا چلا لیکن مجھے لگتا ہے اسے شروع سے ہی پتا ہے۔"
وہ اب دوبارہ اسی ڈیسک ٹاپ کو کھولے کرسی پر بیٹھا تھا جو وہ پچھلی رات بھی کھولے بیٹھا رہا تھا۔
"مجھے شک ہے۔ شاید اس نے حمین اور عنایہ کو بھی بتایا ہو۔"
وہ سالار کے عقب میں کھڑی تھی۔ سالار کمپیوٹر کی اسکرین پر ان ویب سائٹ کو بند کر رہا تھا اور ڈیلیٹ کر رہا
تھا' جو وہ رات کو نہیں کر سکا تھا۔ امامہ کے حلق میں اٹکی چیز آنسوؤں کے گولے میں بدلی۔
محمد جبریل سکندر کنویں سے زیادہ گہرا تھا۔ وہ ماں باپ کے ساتھ ایک بار پھر ایک بے آواز تماشائی کی طرح ان کی
زندگی کی تکلیف اور اذیت کو جھیل رہا تھا۔ جیسے اس نے کئی سال پہلے اپنی پیدائش سے بھی پہلے امامہ کے وجود کے
اندر جھیلی تھی۔ جب وہ وسیم کی موت کے بعد اپنی زندگی کے اس وقت کے سب سے بدترین مرحلے سے گزری
تھی۔ وہ بڑوں کا بوجھ تھا' بڑوں کو ہی ڈھونا چاہیے تھا۔ اس کے کندھے اس سے نہیں جھکنے چاہیے تھے۔ وہ دو
بڑے اس وقت شرمسار تھے۔
"اس نے تم سے کیا کہا؟" اس نے بالآخر ہمت کر کے سالار کے عقب میں کھڑے ہو کر اس کے کندھوں پر
ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔
"بابا! میں آپ کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" مدھم آواز میں سالار کے جواب نے ایک خنجر کی طرح اسے
کاٹا تھا۔
بچپن کمال کی چیز ہے' ساری لفاظی' تکلف' لحاظ کا پردہ پھاڑ کر دل کی بات کو یوں کہتا ہے کہ دل نکال کر رکھ دیتا
ہے۔

"اس نے تم سے وہ کہا جو میں نہیں کہہ سکی۔" سالار نے اپنے کندھوں پر اس کے ہاتھوں کی نرمی اور اس کے لفظوں کی گرمی کو جیسے ایک ہی وقت میں محسوس کیا تھا۔

"میں کچھ ہفتوں تک آپریشن کروا رہا ہوں۔ دو ہفتوں میں یہاں سے واپس پاکستان جائیں گے' تم لوگوں کو پاکستان چھوڑ کر پھر میں امریکہ جاؤں گا' سرجری کے لیے۔"

اس نے امامہ کو مڑ کر نہیں دیکھا تھا' نہ اس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹائے تھے۔ نہ اسے تسلی دی تھی۔ سو اسے جبریل کی طرح سینے سے لپٹا کر وہ وعدہ نہیں کر سکتا تھا جو اس نے جبریل سے کیا تھا۔ وہ بچہ تھا۔ وہ بچہ نہیں تھی۔ سو بہل گیا تھا۔ وہ بہل نہیں سکتی تھی۔

"مجھے تمہیں ایک کام سونپنا ہے امامہ۔" سالار نے بالآخر کمپیوٹر آف کرتے ہوئے امامہ سے کہا۔

"کیا؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ابھی نہیں بتاؤں گا... آپریشن کے لیے جانے سے پہلے بتاؤں گا۔"

"سالار! مجھے کوئی کام مت دینا... کچھ بھی۔" وہ رو پڑی۔

"کوئی بڑا کام نہیں ہے۔ تمہارے لیے کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے۔"

وہ اب کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

"میں کوئی آسان کام بھی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے بے حد بے بسی سے کہا۔ وہ ہنس پڑا۔ عجیب تسلی دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

"اپنی آٹو بائیو گرافی (خودنوشت) لکھ رہا ہوں پچھلے کچھ سالوں سے... سوچتا تھا بڑھاپے میں پبلش کرواؤں گا۔" وہ خاموش ہوا۔ پھر بولنے لگا۔ "وہ نامکمل ہے ابھی... میں بہت کوشش بھی کروں تب بھی اسے مکمل نہیں کر سکتا' لیکن تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں... یہ چاروں ابھی بہت چھوٹے ہیں... مجھے نہیں پتا آپریشن کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتا... آگے کیا ہونے والا ہے۔ لیکن پیچھے جو کچھ ہو چکا ہے' وہ لکھ چکا ہوں میں اور میں چاہتا ہوں تم اسے ان چاروں کے لیے اپنے پاس محفوظ رکھو۔"

ان جملوں میں عجیب بے ربطی تھی' وہ اس سے کھل کر یہ نہیں کہہ پایا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے بچوں کے ہوش سنبھالنے پر ان سے ان کے باپ کا تعارف ان کے باپ کے لفظوں میں ہی کروائے۔ وہ اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکا تھا کہ اسے آپریشن میں ہونے والی کسی پیچیدگی کے نتیجے میں ہونے والی دماغی بیماری کا بھی اندیشہ تھا۔ اس نے جو نہیں کہا تھا' امامہ نے وہ بھی سن لیا تھا۔ بس صرف سنا تھا۔ وہ آنے والے وقت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ برا وقت تھا اور وہ برے وقت سے آنکھیں بند کر کے گزرنا چاہتی تھی۔

"کتنے چیپٹرز ہیں اس کتاب کے؟" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھا۔

"سینتیس سال کی عمر میں پہلا چیپٹر لکھا تھا' پھر ہر سال ایک چیپٹر لکھتا رہا ہوں۔ ہر سال ایک لکھنا چاہتا تھا۔ زندگی کے پہلے پانچ سال... پھر اگلے پانچ... پھر اس سے اگلے... ابھی زندگی کے صرف چالیس سال کا احاطہ کر پایا ہوں۔" وہ بات کرتے کرتے رکا... چیپٹر گنوائے بغیر وہ عمر گنوانے بیٹھ گیا تھا۔

"چالیس کے بعد بھی تو زندگی ہے۔ 41-42-43" وہ بات کرتے کرتے رکی... ہکلائی۔

"وہ جو ہے' اسے میں document نہیں کرنا چاہتا۔ تم کرنا چاہتی ہو تو کر لینا۔" گویا وہ اجازت دے رہا تھا۔ اسے جیسے کہہ رہا ہو تم یاد رکھنا چاہتی ہو یہ عرصہ تو یاد رکھ لینا۔

"کہاں ہے کتاب؟" وہ یہ سب نہیں پوچھنا چاہتی تھی' پھر بھی پوچھتی جا رہی تھی۔

"اسی کمپیوٹر میں ہے۔" وہ دوبارہ کمپیوٹر آن کرنے لگا اور ڈیسک ٹاپ پر پڑے ایک فولڈر کو کھول کر اس نے

امامہ کو دکھایا۔ فولڈر کے اوپر ایک نام چمک رہا تھا۔ تاش۔۔۔

''تاش؟'' امامہ نے رندھی آواز میں پوچھا۔

''نام ہے میری آٹو بائیو گرافی کا۔'' وہ اب اسے دیکھے بغیر فولڈر کھولے اسے فائلز دکھا رہا تھا۔

''ہو انگلش میں لکھی جانے والی آٹو بائیو گرافی کا نام اردو میں رکھو گے؟'' اسٹڈی ٹیبل کے کونے سے ٹکی وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''میری زندگی کو اس لفظ سے زیادہ بہتر کوئی (بیان) نہیں کر سکتا۔ کیا فرق پڑتا ہے، تم لوگوں کے لیے لکھی ہے، تم لوگ تو سمجھ سکتے ہو 'تاش' کیا ہے۔''

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مدھم آواز میں بولتا ہوا صفحات کو اسکرول ڈاؤن کر رہا تھا۔ لفظ بھاگتے جا رہے تھے، پھر غائب ہو رہے تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کی زندگی کے سال غائب ہوئے تھے۔ پھر وہ آخری چیپٹر آخری صفحے پر جا رکا تھا۔ آدھا صفحہ لکھا ہوا تھا' آدھا صفحہ خالی تھا۔ سالار نے اس فولڈر کو کھولنے کے بعد پہلی بار سر اٹھا کر امامہ کو دیکھا، نم آنکھوں کے ساتھ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''تم پڑھنا چاہو گی؟'' اس نے مدھم آواز میں امامہ سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼
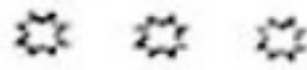
وہ کتاب امامہ نے اس دن اس کے آفس جانے اور اپنے بچوں کے اسکول واپس آنے سے پہلے ختم کر لی تھی۔ اس نے آٹھ چیپٹرز میں اپنی زندگی کے چالیس سال محفوظ کیے تھے اور بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنی زندگی کو رقم کیا تھا۔ امامہ ہاشم کو کتابیں پڑھنے کا شوق تھا لیکن صرف رومانس۔۔۔ صرف تصوراتی۔۔۔ سچ اور تلخ حقائق پر مشتمل خود نوشت سوانح نہیں اور وہ بھی ایسی کتاب۔ جس کا مرکزی کردار اس کی اپنی زندگی کا ہیرو تھا۔ جو کچھ اس نے اس کتاب میں اپنے حوالے سے لکھا تھا۔ وہ کبھی اس کے منہ سے سننے کی ہمت نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ اس سے خفا ہو جاتی۔ بددل بھی۔۔۔ بدگمان بھی۔۔۔ لیکن وہ اس کے بارے میں سب کچھ پڑھ رہی تھی۔ سن نہیں رہی تھی۔ تنہا تھی۔ اس کے سامنے نہیں تھی اور وہ سفاکی اور بے رحمی کی حد تک اپنے بارے میں صاف گوئی دکھا رہا تھا۔ اپنے سارے عیب۔۔۔ ساری غلطیاں۔۔۔ ساری گمراہیاں۔۔۔ خامیاں۔۔۔ سب۔

اور پھر اس کی زندگی میں امامہ ہاشم نے کیا رول ادا کیا تھا۔ وہ بھی۔۔۔ اس کی اولاد نے کیا تبدیلی کی تھی' وہ بھی۔۔۔ اس کے باپ نے اس کے لیے کیا۔ کیا۔ کیا تھا وہ بھی۔۔۔ اور اس رزق نے کیا تباہی کی تھی۔ وہ بھی' جو سود سے کمایا اور گنوایا گیا تھا۔

امامہ ہاشم نے اس کتاب کے آٹھ چیپٹرز ایک نشست میں پڑھے تھے اور پھر اس کتاب کے آٹھویں چیپٹر کے آخر میں ایک لائن لگا کر اسے ختم کرتے ہوئے اگلا صفحہ کھولا تھا۔

سالار سکندر کی زندگی کے نویں چیپٹر کا آغاز۔۔۔

☼ ☼ ☼
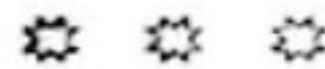
''تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟'' اس دن اسکول سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھے حمین کو جبریل کی خاموشی نے پریشان سے زیادہ بے زار کیا تھا۔ وہ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا اور اسے مکمل طور پر نظرانداز کر رہا تھا۔

''میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گا' تم بہت مین ہو۔''

جبریل نے بالآخر اپنی خاموشی توڑتے ہوئے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ حمین اس کی بات پر بے قرار ہوا۔

"ٹھیک نہیں ہے میں نے کیا کیا ہے؟"

"لیکن یہ ٹھیک ہے، تم نے سب کو بتا دیا کہ میں روتا ہوں۔"

"اس لیے کہ میں تمہارے رونے کی وجہ سے اپ سیٹ تھا۔ تم اتنا کیوں روتے ہو؟" جبریل نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس سے نظر چرائی اور حمین کی بے قراری میں اضافہ کیا۔

"میں تمہیں گلے لگا سکتا ہوں؟" اس نے جبریل کے بازو سے چمٹتے ہوئے اس کے کان میں ایک بلند و بالا سرگوشی کی۔ جبریل بے اختیار اپنے کان میں گونجنے والی اس کی آواز پر مڑا اور اسے گھور کر دیکھا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ گرلز یہ بات سن لیں۔"

حمین نے بے حد معصومیت سے برابر میں بیٹھی دونوں لڑکیوں کے بارے میں اسے مطلع کیا اور پھر جبریل کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ خود ہی جبریل کے گلے لگ گیا۔ جبریل ایک لمحہ ساکت رہا پھر موم کی طرح پگھلا۔ یہ اس کی فطرت تھی۔

"فرینڈز!" حمین نے سیکنڈز میں اس سے الگ ہوتے ہوئے بے حد اطمینان سے اس سے استفسار کیا۔

"صرف اس صورت میں اگر تم میرے بارے میں بات کرنا بند کردو۔"

جبریل نے اموشنل بلیک میلنگ کی ایک تازہ کوشش کی۔

"پرامس!" حمین نے پلک جھپکتے میں وعدہ کیا۔ جبریل نے کچھ مطمئن انداز میں سر ہلایا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"لیکن اگر میں اپنا وعدہ بھول جاؤں تو تم مجھے معاف کردو گے نا؟"

اگلے لمحے ابھرنے والی آواز نے جبریل کو دوبارہ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔

"میرا مطلب ہے، کبھی میں بھول بھی جاتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے نا میں بچہ ہوں۔" وہ جبریل کی گھورتی ہوئی نظروں کے جواب میں بے حد اطمینان سے توجیہہ پیش کر رہا تھا۔ وہ ایک جملے میں تین قلابازیاں کھا رہا تھا اور اپنے بڑے بھائی کو بتا رہا تھا کہ وہ صرف "عمر" میں بڑا تھا۔

جبریل نے اسے مزید کچھ نہیں کہا۔ اسے کچھ کہنا وقت اور دماغ ضائع کرنے کے برابر تھا۔

☼ ☼ ☼
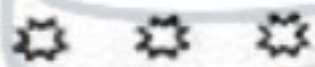
"تم نے کتاب پڑھی؟" اس رات سالار نے واپس آکر سونے سے پہلے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ چونکی اور اس سے نظریں ملائے بغیر اس نے بستر کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے فوراً کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے نہیں پڑھنی تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے اسی انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

"مجھے اس کتاب کو اس کمپیوٹر سے ہٹا دینا چاہیے۔" سالار کو اس کی بات سنتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

"کیوں۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔

"میں نہیں چاہتا جبریل اسے پڑھے وہ اس کمپیوٹر کو بہت استعمال کرتا ہے۔ تمہارے لیپ ٹاپ میں محفوظ کر دیتا ہوں۔"

"جب بچوں کے لیے لکھ رہے ہو تو بچوں سے کیوں چھپانا چاہتے ہو؟"

"میں اس عمر میں انہیں اپنے بارے میں یہ سب نہیں بتانا چاہتا۔"

"تو پھر مجھے بھی مت پڑھاؤ۔" اس نے بستر کی چادر ٹھیک کرنے کے بعد سالار سے اپنا چہرہ چھپانے کے لیے

"ہرا۔ میں جیت گیا!" اس نے ہوا میں مکے لہراتے ہوئے جیسے کسی خواب کو جیت لینے کا اعلان کیا۔
"کیا اس نے ٹھیک کہا ہے؟" عنایہ کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔
"ہاں۔" امامہ نے کہا۔ حمین کے چہرے پر بے یقینی جھلکی۔
"ہوں۔"
"اچھے مہمان کسی کو تنگ نہیں کرتے۔ کسی سے فرمائش نہیں کرتے۔ کسی چیز میں نقص نہیں نکالتے۔ اور ہر کام میزبان سے اجازت لے کر کرتے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کا بوجھ میزبان پر نہیں ڈالتے۔" امامہ نے انہیں سمجھانے والے انداز میں کہا۔
"او مائی گاڈ! ممی! میں اچھا گیسٹ نہیں ہونا چاہتا۔ میں بس گیسٹ بننا چاہتا ہوں۔" حمین نے ماں کی بات کاٹتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"ہم دادا، دادی کے گھر جا رہے ہیں اور ہمیں وہاں ویسے رہنا ہے جس سے وہ کمفرٹیبل ہوں، انہیں شکایت یا تکلیف نہ ہو۔" امامہ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
"اوکے!" عنایہ، رئیسہ اور جبریل نے بیک وقت ماں کو اطمینان دلایا۔
"اور ہم اپنے گھر میں کب جائیں گے؟" حمین نے ماں کو اپنے آپ کو نظر انداز کرنے پر بالآخر پوچھا۔
"جلدی جائیں گے!" اس نے نظر ملائے بغیر حمین کو جواب دیا۔ وہ مطمئن نہیں ہوا۔
"جلدی کب؟" وہ بے صبرا تھا۔
"بہت جلدی۔"
"اور ہمارا گھر ہے کہاں؟" حمین نے پچھلے جواب سے مطمئن نہ ہوتے ہوئے سوال بدلا اور امامہ کو جیسے چپ لگ گئی۔ سوال ٹھیک تھا۔ جواب نہیں تھا۔
"ہم نیا گھر خریدیں گے۔" عنایہ نے جیسے اس کی چپ کا دفاع کیا۔
"کہاں۔۔۔؟" حمین کو مکمل جواب چاہیے تھا۔
"جہاں بابا ہوں گے۔" جبریل نے اس بار اسے مکمل جواب دینے کی کوشش کی۔
"اور بابا کہاں ہوں گے؟" حمین نے ایک اور منطقی سوال کیا جو امامہ کو چبھا تھا۔
"ابھی ہم پاکستان جا رہے ہیں پھر بابا جہاں جائیں گے، وہاں ہم لوگ بھی چلے جائیں گے۔" جبریل نے ماں کی آنکھوں میں امڈنے والی نمی کو بھانپا اور جیسے دیوار بننے کی کوشش کی۔
"واؤ۔۔۔ یہ تو بہت اچھا ہے۔" حمین بالآخر مطمئن ہوا۔
"میں بابا کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے اعلان کر کے ماں کو اپنی ترجیح بتائی۔ امامہ ان چاروں سے مزید کچھ نہیں کہہ سکی۔ یہ سمجھانا بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے اور خاص طور سے اس چیز کو سمجھانا جو خود سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔ اس نے ان چاروں کو سونے کے لیے جانے کا کہہ دیا اور خود ان کے کمرے سے نکل گئی۔
"ممی!" حمین اس کے پیچھے لاؤنج میں نکل آیا تھا۔ امامہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ جیسے کسی سوچ میں تھا۔
"یس۔" اس نے جواب دیا۔
"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں لیکن میں کنفیوزڈ ہوں۔" اس نے ماں سے کہا۔
"کیوں؟" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"کیونکہ میں اپنا وعدہ نہیں توڑنا چاہتا۔" اس نے اپنی الجھن کی وجہ بتائی۔ "لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کا سیکرٹ جانتا ہوں۔"
امامہ کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا۔
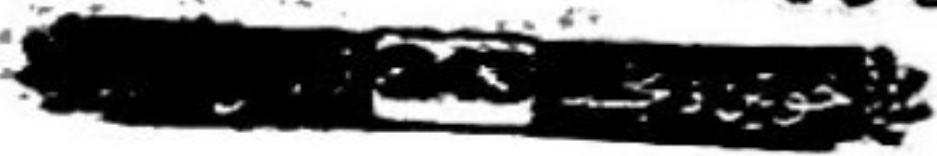
"میں جانتا ہوں۔ آپ اپ سیٹ ہو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ جیسے کچھ اور زمین میں گڑی۔ وہ اب اس کے اور قریب آگیا تھا۔ چھ سال کی عمر میں بھی اس کی کمر سے اوپر قد کے ساتھ۔ "پلیز آپ اپ سیٹ نہ ہوں۔" اس نے اب ماں کی کمر کے گرد اپنے بازو لپیٹتے ہوئے کہا۔

(I don't like it when you cry)

"جب آپ روتی ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس سے چمٹا وہ اب اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ بت کی طرح کھڑی تھی۔ پہلے جبریل اور اب حمین۔ اس کی ہر اولاد کو اس کے ساتھ اس تکلیف سے گزرنا تھا کیا۔؟

"تم کیا جانتے ہو؟" وہ اتنا چھوٹا سا جملہ بھی ادا نہیں کرپا رہی تھی۔ وہ صرف اسے تھپکنے لگی۔

"دادا ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ اب اسے تسلی دینے لگا۔ امامہ کو لگا جیسے اس کو سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ شاید بابا کہہ رہا تھا۔

"میں نے دادا سے پوچھا۔" اس نے ایک بار پھر امامہ سے کہا اس بار وہ مزید الجھی۔

"کس سے کیا پوچھا؟"

"دادا سے پوچھا تھا' انہوں نے کہا' وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" امامہ مزید الجھی۔

"دادا کو کیا ہوا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"دادا کو برین ٹیومر نہیں ہوا۔۔۔ دادا کو الزائمر ہے۔۔۔ لیکن وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

امامہ کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

☆☆☆

"سالار کو کچھ مت بتانا۔"

پاکستان پہنچنے کے بعد جو پہلا کام تھا۔ وہ امامہ نے یہی کیا تھا۔ اس نے سکندر عثمان سے اس انکشاف کے بارے میں پوچھا تھا جو سکندر عثمان نے حمین کے برین ٹیومر کے حوالے سے سوالوں کے جواب میں کیا تھا اور انہوں نے جواباً" اسے بتایا تھا کہ ایک مہینہ پہلے روٹین کے ایک میڈیکل چیک اپ میں ان کی اس بیماری کی تشخیص کی گئی تھی جو ابھی ابتدائی اسٹیج پر تھی۔ لیکن انہیں سب سے پہلی پریشانی یہی تھی کہ کہیں امامہ نے سالار سے اس بات کا ذکر نہ کردیا ہو اور جب اس نے یہ بتایا کہ اس نے سالار سے ابھی ذکر نہیں کیا تو انہوں نے پہلی بات اس سے یہی کہی تھی۔

"میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ اس کا آپریشن ہونے والا ہے اور میں اپنی بیماری کے حوالے سے اسے اور ٹینس کروں۔"

وہ اب بھی اپنے سے زیادہ سالار کے بارے میں فکر مند تھے۔

"پاپا! میں نہیں بتاؤں گی اسے۔۔۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ وہ پریشان ہو۔" امامہ نے انہیں تسلی دی۔ "آپ جانتے ہیں۔ آپ سے بہت اٹیچڈ ہے وہ۔۔۔ اپنی بیماری بھول جائے گا وہ۔"

"جانتا ہوں۔" انہوں نے ایک رنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ سرہلایا۔ "اس عمر میں اپنی بیماری کی فکر نہیں ہے مجھے۔۔۔ میں نے زندگی گزار لی ہے اپنی۔۔۔ اور اللہ کا شکر ہے۔۔ بہت اچھی گزاری ہے۔ اس کو صحت مند رہنا چاہیے۔" انہوں نے آخری جملہ عجیب حسرت سے کہا۔

"اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی بیماری بھی خود لے لیتا۔ اپنی زندگی کے جتنے بھی سال رہ گئے ہیں سب اسے دے دیتا۔"

لیے تھے۔

امامہ نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"آپ بس اس کے لیے دعا کریں پاپا۔ ماں باپ کی دعا میں بہت اثر ہوتا ہے۔"

"دعا کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے مجھے۔ میں سوچتا تھا اس نے مجھے نو عمری اور جوانی میں بہت ستایا تھا۔ لیکن جو میرے بڑھاپے میں ستا رہا ہے یہ۔" وہ بات مکمل نہیں کرسکے۔ رو دیے۔

"ایک کام کریں گے پاپا؟" امامہ نے ان کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی اتارتے ہوئے امامہ نے ان کے ہاتھ کو کھولتے ہوئے ان کی ہتھیلی پر وہ انگوٹھی رکھ دی۔

"اسے بیچ دیں۔" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"کیوں؟" انہوں نے بمشکل کہا۔

"مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"کتنے؟"

"جتنے مل سکیں۔"

"امامہ۔" انہوں نے کچھ کہنا چاہا امامہ نے روک دیا۔

"انکار مت کریں۔ یہ کام میں آپ کے علاوہ کسی سے نہیں کروا سکتی۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔

☆ ☆ ☆

اپنے آپریشن سے دو ہفتے پہلے نیویارک میں سالار سکندر اور SIF کے بورڈ آف گورنرز نے پہلے گلوبل اسلامک انویسٹمنٹ فنڈ کے قیام کا اعلان کر دیا تھا۔

پانچ ارب روپے کے سرمائے سے قائم کیا گیا۔

-Samar Investment Fund-

ثمر انویسٹمنٹ فنڈ وہ پہلی اینٹ تھی اس مالیاتی نظام کی جو سالار سکندر اور اس کے پانچ ساتھی اگلے بیس سالوں میں دنیا کی بڑی فنانشل مارکیٹوں میں سود پر مبنی نظام کے سامنے لے کر آنا چاہتے تھے۔ پانچ ارب روپیہ اس ابتدائی ٹارگٹ سے بہت کم رقم تھی جس کے ساتھ وہ اس فنڈ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ اگر سالار سکندر کی بیماری کا انکشاف میڈیا کے ذریعے اتنے زور و شور سے نہ کیا جاتا تو SIF کے بورڈ آف گورنرز کے چھ ممبرز اس فنڈ کا آغاز ایک ارب ڈالر کے سرمائے سے دنیا کے پچاس ممالک میں بیک وقت کرتے اور وہ ٹارگٹ مشکل ضرور تھا ناممکن نہیں تھا اور ان کے پاس پانچ سال تھے اسے حاصل کرنے اور بنیادی انفرا اسٹرکچر کھڑا کرنے کے لیے۔ لیکن سالار سکندر کی بیماری نے جیسے پہلے قدم پر ہی ان کی کمر توڑ دی تھی۔ اس کے باوجود بورڈ آف گورنرز نہیں ٹوٹا تھا' وہ اکٹھے رہے تھے۔ جڑے رہے تھے۔ کیونکہ ان چھ میں سے کوئی شخص بھی یہ کام "کاروبار" کے طور پر نہیں کر رہا تھا۔ وہ ایک اندھی کھائی میں کودنے کے مجاہدانہ جذبے سے کر رہے تھے۔

Late 30's میں اس پروجیکٹ سے منسلک چھ کے چھ افراد ایک دوسرے کو ذاتی طور پر اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک دوسرے کی نیت بھی۔ ایک دوسرے کی حیثیت بھی۔ اور ایک دوسرے کی کمٹمنٹ بھی۔

سالار سکندر' عامل کلیم' موسیٰ بن رافع' ابوذر سلیم' علی اکمل اور راکن مسعود پر مشتمل SIF کا بورڈ آف

گورنرز دنیا کے بہترین بورڈ آف گورنرز میں گردانا جاسکتا تھا۔۔۔ وہ چھ کے چھ افراد اپنی اپنی فیلڈ کا پاور ہاؤس تھے۔ وہ چھ مختلف شعبوں کی مہارت 'صلاحیت' اور تجربے کو SIF کے پلیٹ فارم پر لے آئے تھے۔ اور 40's early میں ہونے کے باوجود 15 سے 20 سال کے تجربے ساکھ اور (اپنی کامیابیوں) کے ساتھ وہ دنیا کے کم عمر ترین اور قابل ترین بورڈ آف گورنرز میں سے ایک تھا۔

عالی کلیم ایک امریکن مسلم تھا جس کی ماں ملائشین اور باپ ایک عرب تھا لیکن وہ دونوں امریکہ میں ہی پیدا اور پلے بڑھے تھے۔ عالی کلیم ایک فنانشل کنسلٹنسی فرم کا مالک تھا اور امریکہ کے ڈیڑھ سو سے زیادہ فنانشل اداروں کے لیے کنسلٹنسی کر رہا تھا۔ وہ دنیا کے دس بہترین Investment Gurus میں تیسرے نمبر پر براجمان تھا اور فوربس کی اس لسٹ میں شامل تھا جس میں اس نے اگلے دس سالوں کے ممکنہ ارب پتی پروفیشنلز کے نام دیے تھے۔ عالی کلیم بورڈ آف گورنرز کا سب سے زیادہ مذہبی اور باعمل مسلمان تھا۔ یہ اعزاز اسے بورڈ کے بقیہ پانچ ممبرز نے اجتماعی طور پر اس کی دینی معلومات اور عملی کردار کو دیکھتے ہوئے بخشا تھا جس پر عالی کلیم مطمئن تھا لیکن خوش نہیں تھا۔ سالار اسے yale کے دنوں سے جانتا تھا وہ اور عالی ان پانچ افراد کے گروپ میں تھے جن کا ہر چیز میں مقابلہ رہتا تھا سالار سب سے بہترین GP کے ساتھ ٹاپ کرنے کے باوجود جن چند سبجیکٹس میں کسی سے پیچھے رہا تھا' وہ عالی کلیم ہی تھا۔

موسیٰ بن رافع مسقط اور عمان کے دو شاہی خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے ملک میں اقتدار پر براجمان خاندان سے اختلافات کی بنیاد پر اپنے والدین کے زمانے سے امریکہ میں ہی تھا۔ اس کی پیدائش امریکہ میں ہوئی تھی اور اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے والدین مستقل طور پر امریکہ منتقل ہو گئے تھے۔

26 سال کی عمر میں اپنے باپ کی حادثاتی موت کے بعد موسیٰ کو وہ شپنگ کمپنی ورثے میں ملی جو اس کے باپ کی ملکیت تھی اور ایک اوسط درجہ کی شپنگ کمپنی کو موسیٰ اگلے پندرہ سالوں میں ایک چوٹی کی شپنگ لائن بنا چکا تھا۔۔۔ اس کی کمپنی اب کنٹینرز عالمی شپنگ میں سب سے تیز رفتار اور بہترین کمپنی مانی جاتی تھی۔۔۔ سالار اور وہ کولمبیا میں آپس میں ملے تھے اور پھر ان کا رابطہ ہمیشہ رہا۔ سالار سکندر سٹی بینک میں کام کرنے کے دوران اس کی فیملی کے بہت سے اثاثوں کو ایک انویسٹمنٹ بینکر کے طور پر دیکھتا رہا تھا۔

ابوذر سلیم ایک امریکن افریقی تھا اور ایک بہت بڑی فارماسیوٹیکل کمپنی کا مالک تھا۔۔۔ وہ افریقہ میں فارماسیوٹیکل کنگ مانا جاتا تھا۔ کیونکہ امریکہ based اس کی کمپنی افریقہ کے مختلف ممالک میں فارماسیوٹیکل سپلائیز میں پہلے نمبر پر تھی۔۔۔ سالار کے بعد وہ بورڈ آف گورنرز کا دوسرا ممبر تھا جو افریقہ سے اتنا گہرا تعلق اور مسلسل آنے جانے کی وجہ سے بہت ساری افریقی زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا۔ بورڈ کے گورنرز اسے ابوذر سلیم نہیں کہتے تھے۔۔۔ حاتم طائی کہتے تھے۔ وہ بلاشبہ اس بورڈ کا سب سے فراخ دل ممبر تھا۔ اس کی کمپنی اپنے سالانہ خالص منافع کا چوتھا حصہ افریقہ کے مختلف ممالک کے خیراتی اداروں میں صرف کر رہی تھی۔ سالار اور ابوذر نہ صرف یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے رہے تھے بلکہ انہوں نے یونائیٹڈ نیشنز کی ایک انٹرن شپ بھی اکٹھے کی تھی۔

علی اکمل ایک ہندوستانی نژاد امریکن تھا جو ٹیلی کمیونیکیشنز کی ایک کمپنی چلا رہا تھا۔ ٹیلی کام سیکٹر میں اس کی کمپنی امریکہ میں پچھلے دس سالوں میں سب سے زیادہ منافع کمانے والی کمپنیز میں شمار ہوتی تھی۔ سب سے تیز رفتار ترقی کا تاج بھی اسی کمپنی کے سر پر تھا علی اکمل خود ایک ٹیلی کام انجینئر تھا وہ اور سالار ایک دوسرے سے Yale کے دنوں میں وہاں ہونے والے کچھ مباحثوں کے ذریعے متعارف ہوئے تھے اور پھر یہ تعارف دوستی میں تبدیل ہو گیا تھا۔

راکن مسعود ایک پاکستانی امریکن تھا اور ایک مینجمنٹ کمپنی چلا رہا تھا۔ گلف کے شاہی خاندانوں کا ایک بیٹا

حصہ راکن کے clientel میں شامل تھا اور اب اس clientel میں یورپ کے بہت سے نامی گرامی خاندان اور ہالی ووڈ کی بہت سی امیر شخصیات بھی شامل تھیں۔ راکن کو سالار پاکستان سے ہی جانتا تھا اگرچہ وہ شروع سے دوست نہیں تھے لیکن ان کے خاندانوں کے آپس میں قریبی تعلقات تھے۔ اس کی طرح راکن بھی فکر مند اور ڈاؤ کٹرینٹ تھا اور سود سے پاک نظام کا سب سے زیادہ پُرعزم اور قولی و عملی سپورٹر بھی۔

چھ افراد پر مشتمل وہ گروپ پانچ ارب روپے کا وہ سرمایہ صرف اپنی ساکھ کی بنیاد پر اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اور انہیں یقین تھا وہ اگر ستره ملکوں میں پانچ ارب روپے کے اس سرمائے کو سرمایہ کاری کرنے والوں کے لیے منافع بخش بنا سکے تو اگلے تین سالوں میں 50 ملک اور ایک ارب ڈالر کا ٹارگٹ ناممکنات میں سے نہیں تھا۔

SIF کے پہلے فیز میں ان پروجیکٹ کی تعداد محدود تھی۔ جن پر انہیں کام کرنا تھا مگر وہ دوسرے اور تیسرے فیز میں اپنے مالیاتی منصوبوں کو نہ صرف ان 17 ممالک میں بلکہ اگلے دس سال میں ستر ممالک میں لے جانا چاہتے تھے جہاں وہ ایک کم آمدنی والے شخص کو بھی مالیاتی سروسز فراہم کر سکیں۔

SIF چند بے حد بنیادی اور آسان اصولوں پر قائم کیا گیا تھا۔ وہ اپنے فنڈ کا بڑا حصہ ان نئے انویسٹمنٹ نظریات پر لگانا چاہتے تھے جو افراد اور چھوٹے اداروں کی طرف سے پیش کیے جاتے اور جن میں SIF کو اگلے کچھ بڑے منصوبے کے بہترامکانات نظر آتے ہیں۔ لیکن SIF ایک Lender کے طور پر آنے کے بجائے ایک پارٹنر کے طور پر ایسے ہر منصوبے پر کام کرتا۔ ایک خاص مدت تک۔ نفع اور نقصان میں برابری کی شراکت میں۔ اور اس مدت کا تعین اس آئیڈیا پر لگنے والے سرمائے کی مالیت پر منحصر تھا۔

کھوجو، پرکھو، سکھاؤ، استعمال کرو، منافع کماؤ۔ نقصان کے لیے تیار رہو۔

ہیومن ریسورس پر انویسٹمنٹ کے لیے یہ SIF کی فلاسفی تھی۔

SIF پچھلے پانچ سالوں میں پہلے ہی اپنے لیے بنیادی انفراسٹرکچر کی فراہمی کے لیے بنیادی ہوم ورک کر چکا تھا۔ بیک اپ سپورٹ کے لیے کچھ ایسی انویسٹمنٹ بھی کر چکا تھا جو سود سے منسلک نہیں تھی۔ چھ افراد کا گروپ اپنی اپنی فیلڈ کی مہارت اس کمپنی میں لا کر بیٹھے تھے اور وہ اس مہارت کو سرمایہ کاروں کو ترغیب دینے کے لیے استعمال بھی کر رہے تھے لیکن نفع اور نقصان کی شراکت کے اصول پر کھڑے اس نظام پر کون صرف ان کی مہارت پر اعتماد کرتے ہوئے آتا؟ یہ بڑا چیلنج تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑا چیلنج تھا کہ وہ اپنے پاس آنے والے پچھلے پانچ ارب کے سرمائے کو ان اسٹیک ہولڈرز کے لیے منافع بخش بنا سکتے جنہوں نے ان کی ساکھ اور مہارت پر اعتبار کیا تھا۔

وہ ایک بڑے کام کی طرف ایک بے حد چھوٹا قدم تھا۔ اتنا چھوٹا قدم کہ بڑے مالیاتی اداروں نے اس کو سنجیدگی سے لیا بھی نہیں تھا۔ فنانشل میڈیا نے اس پر پروگرامز کیے تھے، خبریں لگائی تھیں۔ دلچسپی دکھائی تھی لیکن کسی نے بھی اسے آئندہ آنے والے سالوں کے لیے اپنے لیے کوئی خطرہ نہیں سمجھا تھا۔

دنیا میں کوئی۔ بینک، ادارہ، فنڈ ایسا نہیں تھا جو مکمل طور پر سود سے پاک [illegible] مالیاتی نظام کے ہاتھیوں کے سامنے چیونٹیوں کی حیثیت میں کھڑا تھا۔ SIF کیا کر سکتا تھا؟ اور کیا بدل سکتا تھا؟ ایک کامیاب مالیاتی ادارہ ہو سکتا تھا۔ ایک قابل عمل مالیاتی نظام کے طور پر دنیا میں موجود نظام کو کور دینے کے لیے اس کو فنانشل viability دکھانی تھی جو ابھی کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف ان چھ ماہرین کے علاوہ جو اس کے پیچھے تھے۔

☼ ☼ ☼

SIF کے قیام کا اعلان اپنے کندھوں پر لیے ایک بہت بھاری بوجھ کو ہٹا دینے جیسا تھا۔ کم از کم سالار کو ایسا محسوس ہوا تھا۔ اسے اتنی پذیرائی کی توقع نہیں تھی جتنی اس صورت میں ملی ہو اسے اس سے زیادہ بڑے لیول پر لانچ کرنے کی لیکن ایسا بھی نہیں تھا جو انہیں مایوس کر دیتا۔ وہ دنیا کی بڑی بڑی فنانشل مارکیٹوں میں جہاں بہترین مالیاتی ادارے پہلے ہی موجود تھے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے داخل ہوئے تھے اور انہیں پتا تھا۔ مقابلہ آسان نہیں تھا۔

امریکہ میں ایک ہفتے کے دوران اس نے SIF کے درجنوں سیمینارز اور میٹنگز اٹینڈ کی تھیں اور کچھ یہی حال بورڈ آف گورنرز کے دوسرے ممبرز کا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد اسے پاکستان جا کر اپنے بچوں سے ملنا تھا اور پھر واپس آکر دوبارہ امریکہ میں سرجری کروانی تھی۔ اس کا شیڈول اپائنٹمنٹس سے بھرا ہوا تھا۔

ایک ہفتے کے اختتام تک وہ SIF کے ان سرمایہ کاروں میں سے کچھ کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئے تھے جو سالار کی بیماری کی خبر کے بعد پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔

بارش کا وہ پہلا قطرہ، جس کا انہیں انتظار تھا۔

سالار SIF کے قیام کے لیے سرمایہ کار اور سرمایہ تو لانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہ ذاتی طور پر خود اس میں بورڈ آف گورنرز کے دوسرے ممبرز کی طرح کوئی بڑی انویسٹمنٹ نہیں کر سکا تھا۔ کچھ اثاثے تھے جو اس کے پاس تھے انہیں بیچ کر بھی اس کا حصہ کروڑ سے بڑھ نہیں سکا تھا۔ وہ اس اسٹیج پر اپنی فیملی کے کسی فرد سے قرض لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ کسی ناگہانی صورت حال میں امامہ اور اپنے بچوں کے لیے اگر بڑے چھوڑے اثاثے نہیں چھوڑ سکتا تھا تو کوئی واجبات بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مگر اس فنڈ کی اناؤنسمنٹ کے ایک دن بعد سکندر عثمان نے اسے امریکہ فون کیا تھا۔

"میں پانچ کروڑ کی انویسٹمنٹ کرنا چاہتا ہوں SIF میں۔" انہوں نے ابتدائی گپ شپ کے بعد اس سے کہا۔

"آپ اتنی بڑی رقم کہاں سے لائیں گے؟" وہ چونکا۔

"باپ کو غریب سمجھتے ہو تم؟" وہ خفا ہوئے۔ سالار ہنس پڑا۔

"اپنے سے زیادہ نہیں۔"

"تم سے مقابلہ نہیں ہے میرا۔" سکندر عثمان نے بے نیازی سے کہا۔ "تمہیں میرے برابر آنے کے لیے دس بیس سال لگیں گے۔"

"شاید نہ لگیں۔"

"چلو! دیکھیں گے۔ ابھی تو مجھے بتاؤ۔ یہاں پاکستان میں لوکل آفس اور کیا طریقہ کار ہے۔" انہوں نے بات بدلی تھی۔

"آپ نے اب کیا بیچا ہے؟" سالار نے انہیں بات بدلنے نہیں دی براہ راست سوال کیا۔

"فیکٹری۔" وہ سکتے میں رہ گیا۔

"اس عمر میں میں نہیں سنبھال سکتا تھا اب۔ کامران سے بات کی۔ وہ اور اس کا ایک دوست لینے پر تیار ہو گئے۔ مجھے ویسے بھی فیکٹری میں سے سب کا حصہ دینا تھا۔" وہ اس طرح اطمینان سے بات کر رہے تھے جیسے یہ ایک معمولی بات تھی۔

"آپ کام کرتے تھے پاپا۔! آپ نے چلتا ہوا بزنس کیوں ختم کر دیا۔ کیا کریں گے اب؟" وہ بے حد ناخوش

ہوا تھا۔
"کروں گا کچھ نہ کچھ۔ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے اور نہیں بھی کروں گا تو بھی کیا ہے۔ تم باپ کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے کیا۔ باپ ساری عمر اٹھاتا رہا ہے۔" وہ اسے ڈانٹ رہے تھے۔
"آپ نے میرے لیے کیا ہے یہ سب؟" سالار رنجیدہ تھا۔
"ہاں۔" اس بار سکندر عثمان نے بات کو گھمائے پھرائے بغیر کہا۔
"پاپا! مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا آپ کو۔ مشورہ کرنا چاہیے تھا۔"
"تم زندگی میں کون سا کام میرے مشورے سے کرتے رہے ہو۔ ہمیشہ صرف اطلاع دیتے ہو۔" وہ بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کررہے تھے۔
وہ محظوظ نہیں ہوا۔ اس کا دل عجیب طرح سے بوجھل ہوا تھا۔
"کیا ہوا؟" سکندر عثمان نے جیسے اس کی خاموشی کو کریدا۔
"آپ مجھ پر اتنے احسان کیوں کرتے ہیں؟ کب تک کرتے رہیں گے؟" وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔
"جب تک میں زندہ ہوں۔" سکندر عثمان اس کی زندگی کی بات نہیں کرسکے تھے۔
"آپ مجھ سے زیادہ جئیں گے۔"
"وقت کا کس کو پتا ہوتا ہے؟" سکندر عثمان کا لہجہ پہلی بار سالار کو عجیب لگا تھا۔ وہ زیادہ غور نہیں کرسکا۔ سکندر عثمان نے بات بدل دی تھی۔

☼ ☼ ☼
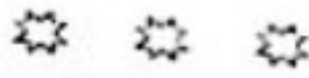
"جبریل! تم ان سب کا خیال رکھو گے؟" امامہ نے شاید کوئی دسویں بار اس سے پوچھا تھا۔
"جی ممی! میں رکھ لوں گا۔ یو ڈونٹ وری (آپ پریشان نہ ہوں۔)" اور اس نے ماں کے ساتھ پیکنگ میں مدد کرواتے ہوئے دسویں بار ماں کو ایک ہی جواب دیا۔
وہ سالار کی سرجری کے وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ اور سالار کے بے حد منع کرنے کے باوجود پاکستان میں بچوں کے پاس رہنے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔
"اس وقت تمہیں میری زیادہ ضرورت ہے۔ بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ وہ میرے بغیر ہفتہ نہ گزار سکیں۔" اس نے سالار سے کہا تھا۔
اور اب جب اس کی سیٹ کنفرم ہوگئی تھی تو اسے بچوں کی بھی فکر ہو رہی تھی۔ وہ پہلی بار ان کو اکیلا چھوڑ کر جارہی تھی۔ اتنی لمبی مدت کے لیے۔
"دادی بھی پاس ہوں گی تمہارے۔ ان کا بھی خیال رکھنا ہے تم نے۔"
"جی رکھوں گا۔"
"اور ہوم ورک کا بھی۔ ابھی تم سب لوگوں کے اسکولز نئے ہیں۔ تھوڑا ٹائم لگے گا ایڈجسٹ ہونے میں۔ چھوٹے بہن بھائی گھبرائیں تو تم سمجھانا۔"
"جی!"
"میں اور تمہارے پاپا روز بات کریں گے تم لوگوں سے۔"
"آپ واپس کب آئیں گے؟" جبریل نے اتنی دیر میں پہلی بار ماں سے پوچھا۔
"ایک مہینے تک شاید تھوڑا زیادہ وقت لگے گا، سرجری ہوجائے تب پتا چل سکے گا۔" اس نے متفکرانہ انداز

میں سوچتے ہوئے تھا۔
"زیادہ سے زیادہ بھی رکھیں گے تو دوسرے دن تک رکھیں گے اگر کوئی کمپلیکیشن نہ ہوئی تو نہ وہ سرے سے گھر آجائیں گے۔"
امامہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ "تمہیں کیسے پتا؟"
"آئی ریڈ اباؤٹ اٹ (میں نے اس کے متعلق پڑھا ہے)" اس نے ماں سے نظریں ملائے بغیر کہا۔
"کیوں؟"
"انفارمیشن کے لیے۔" جبریل نے سادگی سے کہا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے نظریں ہٹالیں اور اپنے ہینڈ بیگ میں سے کچھ تلاش کرنے لگی۔ ایک دم اسے محسوس ہوا جیسے جبریل اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں مسلسل اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔
امامہ نے ایک لحظہ سر اٹھا کر اسے دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"کیا ہوا؟" اس نے جبریل سے پوچھا۔ اس نے جواباً امامہ کی کنپٹی کے قریب نظر آنے والے ایک سفید بال کو اپنی انگلیوں سے پکڑتے ہوئے کہا۔
"آپ کے کافی بال سفید ہو گئے ہیں۔" وہ ساکت اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس کا سفید بال چھوتے ہوئے جیسے بے حد متفکر تھا۔
امامہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی' پلکیں جھپکائے بغیر۔ اس کی پیدائش سے پہلے کا سارا وقت امامہ کی زندگی کا بدترین وقت تھا یا کم از کم اس کی اس وقت تک کی زندگی کا بدترین وقت تھا۔
امریکہ واپس جانے کے بعد اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش میں وہ قرآن پاک بہت پڑھتی تھی۔
سالار جب بھی تلاوت کر رہا ہوتا' وہ اس کے پاس آکر بیٹھ جاتی۔ وہ کتاب جیسے کسی اسفنج کی طرح اس کا ورد جذب کر لیتی تھی اور اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اکیلی نہیں تھی جو سالار کی تلاوت سن رہی ہوتی تھی اس کے اندر متحرک وہ وجود بھی اس پورے عرصہ میں ساکت رہتا تھا' یوں جیسے وہ بھی اپنے باپ کی آواز پر کان لگائے بیٹھا ہو' جیسے وہ بھی تلاوت کو پہچاننے لگا ہو۔ جو آواز اس کی ماں کے لیے راحت کا باعث بنی تھی' وہ اس کے لیے بھی سکون کا منبع تھی اور جب وہ رو رہی ہوتی تو اس کے اندر پرورش پاتا وہ وجود بھی بے حد بے چینی سے گردش میں رہتا۔ یوں جیسے وہ ماں کے آنسوؤں سے بے چین ہوتا ہو اس کی تکلیف اور غم کو سمجھ پا رہا ہو۔
وہ دس سال بعد بھی ویسا ہی تھا۔ وہ اپنی ماں کے سیاہ بالوں میں سفید بال دیکھ کر فکر مند تھا۔
امامہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا بال چھڑا کر اس کا ہاتھ چوما۔
"اب گرے ہیئر کے بارے میں پڑھنا مت شروع کر دینا۔" امامہ نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔ وہ جھینپا پھر مدھم آواز میں بولا۔
"میں پہلے ہی پڑھ چکا ہوں اسٹریس اور ہیلدی ڈائٹ میئن ریزن ہیں۔"
وہ حمین نہیں' جبریل تھا۔ سوال سے پہلے جواب ڈھونڈنے والا۔
وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ایک وقت وہ تھا جب اس کا کوئی نہیں رہا تھا۔ ایک وقت یہ تھا جب اس کی اولاد اس کے سفید بالوں سے بھی پریشان ہو رہی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے حاصل و محصول کا سب سے بہترین نسب منافع بخش حصہ تھا۔

☆ ☆ ☆
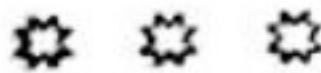
ساڑھے تین کروڑ کا وہ چیک دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے ہل نہیں سکا تھا۔ وہ چیک لانے کچھ دیر پہلے اسے دیا تھا

اور وہ اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور لفافہ کھولتے ہوئے اس نے امامہ سے پوچھا تھا۔

"اس میں کیا ہے؟" سوال کا جواب ملنے سے پہلے اس کے نام کا تا گیا وہ چیک اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

سالار نے سر اٹھا کر امامہ کو دیکھا۔ وہ چائے کے دو کپ سینٹر ٹیبل پر رکھتے صوفے پر بیٹھی ان سے اٹھتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ کہے بغیر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میں چاہتی ہوں تم یہ رقم لے لو۔ اپنے پاس رکھو۔ یا SIF میں انویسٹ کرو۔" سالار کے پاس بیٹھنے پر اس نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم نے وہ انگوٹھی بیچ دی؟" سالار نے بے ساختہ پوچھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بول نہیں سکی پھر مدھم آواز میں سر جھکا کر بولی۔

"میری تھی بیچ سکتی تھی۔"

"بیچنے کے لیے تمہیں نہیں دی تھی۔" وہ خفا تھا یا شاید رنجیدہ۔ "تم چیزوں کی قدر نہیں کرتیں۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے امامہ نے سرہلایا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ میں چیزوں کی قدر نہیں کرتی۔ انسانوں کی کرتی ہوں۔"

"انسانوں کی بھی نہیں کرتیں۔" سالار خفا تھا۔

"صرف تمہاری نہیں کی شاید اسی لیے سزا ملی۔" نمی آنکھوں میں آئی تھی۔ آواز کے ساتھ ہاتھ بھی کپکپایا۔

خاموشی آئی اور کی تھی۔

"تم بے وقوف ہو۔" وہ اب خفا نہیں تھا۔ اس نے وہ چیک لفافے میں ڈال کر اسی طرح میز پر رکھ دیا تھا۔

"تھی۔" امامہ نے کہا۔

"اب بھی ہو۔" سالار نے اصرار کیا۔

"عقل مندی کا کرنا کیا ہے میں نے اب؟" اس نے جواباً" پوچھا۔

"یہ رقم اب اپنے پاس رکھو۔ بہت سی چیزوں کے لیے ضرورت پڑے گی تمہیں۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے کہا تھا۔

"میرے پاس ہے کافی رقم۔ اکاؤنٹ خالی تو نہیں ہے۔ بس میں چاہتی تھی۔ میں SIF میں کنٹری بیوٹ کروں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"زیور بیچ کر کنٹری بیوٹ نہیں کروانا چاہتا میں تم سے۔ تم صرف دعا کرو اس کے لیے۔"

"زیور سے صرف پیسہ مل سکتا ہے۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ بات پوری پہنچائی تھی۔ سالار نے چائے کا مگ اٹھالیا۔ "میں ویسے بھی زیور نہیں پہنتی۔ سالوں سے لاکر میں پڑا ہے۔ سوچ رہی تھی کہ وہ بھی۔"

سالار نے اس کی بات مکمل ہونے نہیں دی' بے حد سختی سے اس سے کہا۔ "تم اس زیور کو کچھ نہیں کرو گی۔ وہ بچوں کے لیے رکھا رہنے دو۔ میں کچھ نہیں لوں گا اب تم سے۔" وہ خاموش ہو گئی۔ چائے کے دو گھونٹ لینے کے بعد سالار نے مگ رکھ دیا اور اس کی طرف مڑ کر جیسے کچھ بے بسی سے کہا۔

"کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ؟"

کچھ کہے بغیر اس کے بازو پر ماتھا ٹکاتے ہوئے اس نے ہاتھ اس کے گرد لپیٹ لیے۔ وہ پہلا موقع تھا جب سالار کو احساس ہوا کہ اس کے آپریشن کی تاریخ جوں جوں قریب آرہی تھی وہ اس سے زیادہ خوف زدہ ہو رہی تھی۔ بے ساختہ شاید ایک بہت چھوٹا لفظ تھا امامہ کی پریشانی' اضطراب' اندیشوں اور وہموں کو بیان کرنے کے لیے

...کے لیے اسے اپنی پریشانی بھلادی تھی۔

"تم میرے ساتھ مت جاؤ امامہ! یہیں رہو بچوں کے پاس۔" سالار نے ایک بار پھر اس سے کہا۔ وہ اس کے ساتھ سرجری کے لیے امریکہ جانا چاہتی تھی اور سالار کی خواہش تھی وہ نہ جائے۔ اس کی ضد کے آگے اس نے ہتھیار تو ڈال دیے تھے لیکن اب اسے اس طرح پریشان دیکھ کر اسے خیال آرہا تھا کہ اسے وہاں اس کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے وہ وہاں کی بری اور غیر متوقع صورت حال کا سامنا کیسے کرے گی۔

"بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ان کو اکیلا چھوڑ کر تم میرے ساتھ کیسے رہو گی۔ وہ پریشان ہو جائیں گے۔" وہ اسے اب ایک نیا عذر دے رہا تھا۔

"نہیں ہوں گے۔ میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔" وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

"وہاں فرقان ہو گا میرے ساتھ... پاپا ہوں گے، تمہیں یہاں رہنا چاہیے بچوں کے پاس۔" سالار نے دوبارہ اصرار کیا۔

"تمہیں میری ضرورت نہیں ہے؟" وہ خفا ہوئی۔

"ہمیشہ۔" سالار نے اس کا سر ہونٹوں سے چھوا...

"ہمیشہ...؟" اس کے کندھے سے لگے زندگی میں پہلی بار امامہ نے اس لفظ کے بارے میں سوچا تھا... جو مجموعہ تھا۔

"اس بیگ میں میں نے سب چیزیں رکھ دی ہیں۔"

سالار نے یک دم بات بدلی یوں جیسے وہ اسے اور اپنے آپ کو ایک اور خندق سے بچانا چاہتا ہو۔ وہ اب کمرے میں کچھ فاصلے پر پڑے ایک بریف کیس کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"ساتھ لے جانے کے لیے؟" امامہ نے سمجھے بغیر اسی طرح اس کے ساتھ لگے لگے کہا۔

"نہیں اپنی ساری چیزیں... چابیاں، پیپرز، بینک کے پیپرز ہر ایسی ڈاکومنٹ جو بچوں سے متعلق ہے۔ اکاؤنٹ میں جو پیسے ہیں، چیک بک کو سائن کر کے رکھ دیا ہے... اور اپنی ایک will (وصیت) بھی۔" وہ بڑے تحمل سے اسے بتا رہا تھا۔ وہ گم صم سنتی رہی۔

"سرجری میں خدانخواستہ کوئی کمپلیکیشن ہو جائے تو... حفاظتی تدبیر ہے۔"

"سالار!" اس نے جیسے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"تمہارے نام ایک خط بھی ہے اس میں۔"

"میں نہیں پڑھوں گی۔" اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگا۔

"چلو! پھر تمہیں ویسے ہی سنا دوں جو لکھا ہے؟" وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے پھر اسے ٹوک دیا۔

"تم کتاب پڑھنا نہیں چاہتیں... خط پڑھنا نہیں چاہتیں... مجھے سننا نہیں چاہتیں پھر تم کیا چاہتی ہو..." وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے کتاب پڑھ لی ہے۔" اس نے بالآخر اعتراف کیا۔

وہ چونکا نہیں تھا۔ "میں جانتا ہوں۔"

وہ بھی نہیں چونکی تھی۔

"کوئی اپنی اولاد کے لیے ایسا تعارف چھوڑ کے جاتا ہے۔" اس نے جیسے شکایت کی تھی۔

"سچ نہ لکھتا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جس بات کو اللہ نے معاف کر دیا اسے بھول جانا چاہیے۔"
"پتا نہیں معاف کیا بھی ہے یا نہیں۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔"
"اللہ نے پردہ تو ڈال دیا ہے نا" اس نے اپنی بات پر اصرار کیا تھا۔ "میں نہیں چاہتی میری اولاد یہ پڑھے کہ ان کے باپ نے زندگی میں غلطیاں کی ہیں۔ ایسی غلطیاں جو ان کی نظروں میں تمہاری عزت اور احترام ختم کر دے۔"
وہ اس سے کہہ رہی تھی۔
"جھوٹ بولتا اور لکھتا کہ میں پارسا پیدا ہوا تھا اور فرشتوں جیسی زندگی گزارتا رہا۔"
"نہیں۔ بس انسانوں جیسی گزاری۔"
وہ بے اختیار ہنسا "شیطان لگ رہا ہوں کیا اس کتاب میں؟"
"میں اس کتاب کو ایڈٹ کروں گی۔" اس نے جواب دینے کے بجائے دوسری ہی بات کی۔ وہ جیسے کچھ اور محظوظ ہوا۔
"یعنی مجھے مومن بنا دو گی؟"
"وہ زندگی میں نہیں بنا سکی تو کتاب میں کیا بناؤں گی؟" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔
وہ پھر ہنسا "یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"
اس نے سر کھجایا۔ بہت عرصے بعد وہ اس طرح بات کر رہے تھے۔ ایسے جیسے زندگی میں آگے کوئی بھی مسئلہ نہیں تھا۔ سب ٹھیک تھا۔ کہیں کوئی تکلیف نہیں تھی۔
"کیا نام رکھو گی پھر میری آٹو بائیو گرافی کا؟"
"آب حیات۔" اس نے بے اختیار کہا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ رنگ اڑا پھر وہ مسکرایا۔
"وہ تو کوئی بھی پی کر نہیں آتا۔" امامہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔
"تلاش تو کر سکتا ہے۔" اس نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"لاحاصل ہے۔"
"وہ تو پھر زندگی بھی ہے۔" وہ لاجواب ہو کر چپ ہو گیا۔
"تم نے زندگی تاش کا کھیل سمجھ کر جی ہے اور اس کتاب کو بھی ایسے ہی لکھا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی وہ سن رہا تھا۔ "زندگی 52 پتوں کا کھیل تو نہیں ہے۔ ان 250 صفحوں میں اعترافات ہیں لیکن کوئی ایسی بات کہیں جسے پڑھ کر تمہاری اولاد تمہارے جیسا بننا چاہے۔ میں چاہتی ہوں تم زندگی کو آب حیات سمجھ کر لکھو جسے پڑھ کر تمہاری اولاد تمہارے جیسا بننا چاہے۔ صرف تمہاری اولاد نہیں۔ کوئی بھی اسے پڑھ کر تمہارے جیسا بننا چاہے۔"
وہ اس سے کہتی رہی۔
"میرے پاس اب شاید مہلت نہیں اتنی۔" سالار نے مدھم آواز میں کہا۔
"تو مہلت مانگو اللہ سے۔ تمہاری تو وہ ساری دعائیں پوری کر دیتا ہے۔" وہ رنجیدہ ہوئی تھی۔
"تم مانگو۔ جو چیز اللہ میرے مانگنے پر نہیں دیتا۔ تمہارے مانگنے پر دے دیتا ہے۔" سالار نے اس سے عجیب سے لہجے میں کہا۔
"مجھے یقین ہے تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ بے حد مایوسی پریشانی اور تمہاری میڈیکل رپورٹس دیکھنے کے باوجود نہیں سالار! مجھے یہ کیوں نہیں لگتا کہ تمہارا اور میرا ساتھ بس زندگی کے اتنے سالوں تک ہے۔ اس طرح ختم ہو سکتا ہے۔" اس نے سالار کا ہاتھ تھاما تھا۔

"مجھے بھی نہیں لگتا۔" وہ بھی عجیب رنجیدگی سے مسکرایا تھا۔ "ابھی تو بہت کچھ ہے جو ہمیں ساتھ کرنا ہے... ساتھ حج کرنا ہے۔ تمہارے لیے ایک گھر بنانا ہے۔"

وہ اب وہ ساری چیزیں گنوا رہا تھا جو اسے کرنی تھیں... یوں جیسے اندھیرے میں جگنو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہو۔

امامہ نے سر جھکا لیا... وہ بھی اندھیرے میں صرف جگنو دیکھنا چاہتی تھی' اندھیرا نہیں۔

☼ ☼ ☼

آپریشن ٹیبل پر لیٹے اینستھیزیا لینے کے بعد' بے ہوشی میں جانے سے پہلے' سالار ان سب کے بارے میں سوچتا رہا تھا جن سے وہ پیار کرتا تھا۔ امامہ جو آپریشن تھیٹر سے باہر بیٹھی تھی... سکندر عثمان جو اس کے منع کرنے کے باوجود اس کو اپنی نظروں کے سامنے سرجری کے لیے بھیجنا چاہتے تھے... اس کی ماں جو اس عمر میں بھی اس کے بچوں کو پاکستان میں سنبھالے بیٹھی تھی... اور اس کی اولاد... جبریل... حمین... عنایہ... رئیسہ... اس کی نظروں کے سامنے باری باری ایک ایک چہرہ آ رہا تھا۔ جبریل کے علاوہ اس کے سب بچوں کو صرف یہ پتا تھا کہ ان کے پاپا کا ایک چھوٹا سا آپریشن تھا اور بس آپریشن کروا کر وہ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن امریکہ آنے سے پہلے اس انکشاف پر عنایہ پہلی دفعہ پریشان ہونا شروع ہوئی تھی... سالار کی تسلیوں کے باوجود آپریشن کا لفظ اسے سمجھ میں آ رہا تھا۔

"Baba is a boy and boys are brave."

حمین نے اسے تسلی دی تھی۔

اور رئیسہ... جو اس کے لیے ہمیشہ گھر آنے پر لان کا کوئی پھول یا پتا جو اسے اچھا لگتا تھا وہ توڑ کر رکھتی تھی' یہ اس کی عادت تھی... اس نے امامہ کو... اس نے سالار کو امریکہ سرجری کے لیے جانے سے پہلے ایک زرد رنگ کا پینزی دیا تھا... وہ اس موسم بہار کا پہلا پینزی تھا جو سکندر عثمان کے لان میں کھلا تھا۔ وہ پھول اس کے بیگ میں تھا... مرجھایا ہوا... اس نے پچھلی رات بیگ کھولنے پر اسے دیکھا تھا۔

غنودگی کی حالت میں جاتے ہوئے وہ عجیب چیزیں سوچنے اور دیکھنے لگا تھا یوں جیسے اپنے ذہن پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھا ہو... آیتیں جو وہ پڑھ رہا تھا وہ پڑھتے ہوئے اب اس کی زبان آہستہ آہستہ موٹی ہونا شروع ہو گئی تھی... وہ اٹکنے لگا تھا پھر ذہن وہ لفظ کھوجنے میں ناکام ہونے لگا جو وہ پڑھ رہا تھا... چہرے' آوازیں' سوچیں' سب کچھ آہستہ آہستہ مدھم ہونا شروع ہوئیں پھر غائب ہوتی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

چار گھنٹے کا وہ آپریشن چار سے پانچ' چھ' سات اور پھر آٹھ گھنٹے تک چلا گیا تھا۔ وہ آٹھ گھنٹے امامہ کی زندگی کے سب سے مشکل ترین گھنٹے تھے۔ سکندر عثمان' فرقان اور سالار کے دونوں بڑے بھائی وہاں موجود تھے۔ اسے حوصلہ اور تسلی دے رہے تھے مگر وہ گم صم ان آٹھ گھنٹوں میں صرف دعائیں کرتی رہی تھی... وہ ذہن اور صلاحیتیں جو اللہ کی نعمت کے طور پر سالار سکندر کو عطا کی گئی تھیں... اس کی دعا تھی اللہ ان نعمتوں کو سلامت رکھے... صحت' زندگی جیسی نعمتوں کا زوال نہ ہو اس پر... آٹھ گھنٹے میں وہ اپنی فیملی کے اصرار اور کوشش کے کچھ کھا پی نہیں سکی تھی... وہ پچھلی ساری رات بھی جاگتی رہی تھی... وہ بھی سالار بھی کھانا بھی نہیں کرتے رہے تھے... بس خاموش بیٹھے رہے پھر کافی پینے چلے گئے... وہاں سے واپسی کے راستے میں بھی کافی کے کپ ہاتھ میں لیے چلتے ہوئے وہ دونوں کچھ بھی نہیں بولے تھے... اگر بات کی بھی تھی تو موسم کی... کافی کی...

ہوں گی۔ اور کچھ بھی نہیں۔
آپریشن تھیٹر جانے سے پہلے وہ اس سے گلے ملا تھا۔ اسی انداز میں جس میں وہ ہمیشہ اس سے ملتا تھا۔ جب بھی اس سے رخصت ہوتا تھا اور اس نے ہمیشہ کی طرح سالار سے وہی کہا تھا جو وہ اس سے کہتی تھی۔ I will be waiting وہ سر ہلا کر مسکرا دیا تھا۔ اس سے نظریں چرائے شاید وہ جذباتی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ بھی رونا نہیں چاہتی تھی۔ کم از کم اس وقت۔ اور وہ نہیں روئی تھی کم از کم اس کے سامنے آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند ہونے تک...

اس کے بعد وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائی تھی۔ اسے امید بھی تھی اور اللہ کی ذات پر یقین بھی۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو واہموں اندیشوں وسوسوں سے بے نیاز نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اب اس کی زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔
ان آٹھ گھنٹوں میں پتا نہیں اس نے کتنی دعائیں، کتنے وظیفے کیے تھے۔ اللہ کے رحم کو کتنی بار پکارا تھا۔ امامہ نے گنتی نہیں کی تھی۔
آپریشن کا بڑھتا ہی جانے والا وقت جیسے اس کی تکلیف اذیت اور اس کے خوف کو بھی بڑھاتا جا رہا تھا۔
آٹھ گھنٹے کے بعد بالآخر اسے آپریشن کے کامیاب ہونے کی اطلاع تو مل گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کا ایک ٹیومر ختم کر دیا تھا۔ دوسرا نہیں کر سکے تھے۔ اسے سرجری کے ذریعے ریموو کرنا بے حد خطرناک تھا۔ وہ بے حد نازک جگہ پر تھا۔ بے حد کامیابی سے اسے ہٹانے کی صورت میں بھی ڈاکٹرز کو خدشہ تھا کہ سالار کے دماغ کو کوئی نقصان پہنچے بغیر یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سرجری کے بغیر اسے ادویات اور دوسرے طریقوں سے کنٹرول کرنا زیادہ بہتر تھا کیونکہ اس میں فوری طور پر سالار کی زندگی اور دماغ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔
ساڑھے آٹھ گھنٹے کے بعد امامہ اور سکندر عثمان نے بالآخر اسے دیکھا تھا۔ وہ ابھی ہوش میں نہیں تھا اور اسے کچھ گھنٹوں کے بعد ہوش آنا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹرز آپریشن کی صحیح طرح کامیابی منا سکتے تھے جب وہ ہوش میں آنے کے بعد بات چیت کرنا شروع کرتا اپنی فیملی کو پہچانتا۔ اپنے ذہن کے متاثر نہ ہونے کا ثبوت دیتا۔
امامہ ایک دریا پار کر آئی تھی۔ اب آگے ایک اور دریا کا سامنا تھا۔ امامہ سالار کو بہت دیر تک نہیں دیکھ سکی۔ زندگی میں دوسری بار اسے اس طرح دیکھ رہی تھی۔ بے بسی کی حالت میں زندگی اور موت سے لڑتے ہوئے۔ پہلی بار اس نے اپنی شادی سے پہلے اسے تب دیکھا تھا جب اس نے کلائی کاٹ کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔ اور اب اتنے سالوں بعد وہ اسے ایک بار پھر اس حالت میں دیکھ رہی تھی۔ تاروں اور ٹیوبز میں جکڑا ہوا۔ وہ اسے دیکھنے کی کوشش کرنے کے باوجود اس پر نظر نہیں جما سکی تو وہاں سے باہر آ گئی۔
وہ لوگ اب اسپتال میں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اسپتال سے واپس اس کرائے کے اپارٹمنٹ میں آنا پڑا تھا جہاں وہ لوگ رہ رہے تھے۔
سکندر عثمان اس کے ساتھ تھے۔ سالار کے دونوں بھائی اور فرقان اسپتال کے قریب اپنے کچھ دوستوں کے ہاں رہ رہے تھے۔ سکندر عثمان کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں آئی۔ وہاں عجیب سناٹا تھا۔ یا شاید وحشت تھی یہ۔ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی، سونا چاہتی تھی اس کے باوجود سو نہیں پا رہی تھی۔ یوں جیسے وہ بے خوابی کا شکار ہو گئی تھی۔
اس کے اسمارٹ فون پر جبریل اسکائپ پر آن لائن نظر آ رہا تھا۔ وہ بے اختیار اسے کال کرنے لگی۔
"بابا کیسے ہیں؟" اس نے سلام دعا کے بعد پہلا سوال کیا۔
"وہ ٹھیک ہیں، آپریشن ٹھیک ہو گیا ہے۔ ڈاکٹرز اب ان کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اس کو بتانے لگی۔

"آپ پریشان نہ ہوں، وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ ہمیشہ کی طرح ماں کو تسلی دے رہا تھا۔
"جبریل! تم تلاوت کرو کسی ایسی سورۃ کی۔۔۔ کہ مجھے نیند آجائے۔"
وہ اولاد کے سامنے اتنی بے بس اور کمزور ہو کر آنا نہیں چاہتی تھی لیکن ہو گئی تھی۔
جبریل نے لیپ ٹاپ کی اسکرین اور اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھا پھر جیسے اس نے ماں کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کی۔
"آپ کو سورہ رحمان سناؤں؟"
"ہاں۔"
"اوکے میں وضو کر کے آتا ہوں۔۔۔ آپ بستر پر لیٹ جائیں۔" وہ پچھلے دو دن میں پہلی بار مسکرائی تھی۔
وہ وضو کے بغیر زبانی کوئی چھوٹی بڑی آیت بھی نہیں پڑھتا تھا۔۔۔ یہ احترام انہوں نے اسے نہیں سکھایا تھا۔ یہ اس کے اندر تھا۔۔۔ قرآن پاک کو حفظ کرنے کی خواہش کا اظہار بھی ان کی طرف سے ہونے سے بہت پہلے اس کی طرف سے ہوا تھا۔ وہ تب صرف تین سال کا تھا اور سالار کو روزانہ بلاناغہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھتا تھا، پھر ایک دن اس نے امامہ سے پوچھا تھا۔
"بابا کیا پڑھتے ہیں؟"
"وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں جیسے تم قاعدہ پڑھتے ہو۔" امامہ نے اسے بتایا۔
"لیکن قاعدہ تو بہت چھوٹا ہے۔" جبریل نے جیسے اپنی مایوسی ظاہر کی۔
"جب تم قاعدہ پڑھ لو گے پھر قرآن پاک پڑھنا۔"
"لیکن وہ تو میں بہت دفعہ پڑھ چکا ہوں۔" وہ اپنا قرآنی قاعدہ واقعی کئی دفعہ پڑھ چکا تھا۔ اسے سبق دینے، دہرائی کروانے اور اگلے دن سننے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔۔۔ وہ قرآنی قاعدے کا کوئی حرف، کوئی آواز نہیں بھولتا تھا اور یہ اس پہلے دن سے تھا جب اس نے قرآنی قاعدہ پڑھنا شروع کیا تھا۔ اس کے باوجود امامہ اور سالار اسے فوری طور پر پہلے سپارے پر نہیں لائے تھے، وہ اسے چھوٹی چھوٹی سورتیں اور قرآنی دعائیں یاد کرواتے تھے۔۔۔ اور جبریل وہ بھی برق رفتاری سے کر رہا تھا۔۔۔ سالار اسے قرآن پاک اس عمر میں پڑھانا چاہتا تھا جب وہ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے سمجھ بھی پائے۔
"بابا کو یہ ساری کتاب یاد ہے؟" جبریل نے اس قرآن پاک کی ضخامت کو اپنے ننھے سے ہاتھ کی انگلیوں میں لے کر ناپنے کی کوشش کی جو سالار کچھ دیر پہلے پڑھ رہا تھا اور پڑھتے ہوئے ٹیبل پر چھوڑ گیا تھا۔
"ہاں!" امامہ اس کے تجسس سے محظوظ ہوئی تھی۔
"ساری؟" جبریل نے جیسے کچھ بے یقینی سے ماں سے پوچھا۔
"ساری۔" امامہ نے اس کے تجسس کو جیسے اور بڑھایا۔
جبریل میز کے قریب کھڑا سوچ میں گم قرآن پاک کی چوڑائی اور موٹائی کو ایک بار پھر اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے ناپتا رہا پھر اس نے اپنا کام ختم کرتے ہوئے امامہ سے کہا۔
"واؤ!!"
امامہ بے اختیار ہنسی۔ اس نے باپ کو پورے حساب کتاب کے بعد داد دی تھی۔
"مجھے بھی قرآن پاک زبانی یاد کرنا ہے۔۔۔ میں کر سکتا ہوں کیا؟" اس نے امامہ کی ہنسی سے کچھ نالاں ہونے کے باوجود ماں سے پوچھا۔
"ہاں بالکل کر سکتے ہو۔۔۔ اور ان شاء اللہ کرو گے۔"

"کب؟"
"جب تم بڑے ہو جاؤ گے۔"
"بابا جتنا؟" جبریل کچھ خوش نہیں ہوا تھا۔
"نہیں بس تھوڑا سا بڑا۔" امامہ نے اسے تسلی دی۔
"اوکے اور جب میں قرآن پاک حفظ کرلوں گا تو میں بھی بابا کی طرح قرآن پاک کھولے بغیر پڑھا کروں گا۔"
"بالکل پڑھنا۔" امامہ نے جیسے اس کی حوصلہ افزائی کی۔
"اور آپ کو بھی سناؤں گا۔ پھر آپ بھی آنکھیں بند کر کے سننا جیسے آپ بابا کو سنتی ہیں۔" اس نے ماں سے کہا تھا۔
اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ وقت اتنا جلدی آئے گا کہ وہ خود اس سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی فرمائش کرے گی۔
"ممی۔۔۔ آپ سو گئیں؟" اس نے جبریل کی آواز پر ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھالیا۔ وہ اسکائپ کی ونڈو میں نظر آرہا تھا۔
"نہیں۔" امامہ نے کہا۔
"میں شروع کروں؟" جبریل نے کہا۔
"ہاں۔" سر پر ٹوپی رکھے ہاتھ سینے پر باندھے وہ اپنی خوب صورت آواز میں سورہ رحمان کی تلاوت کر رہا تھا۔ اسے سالار سکندر یاد آنا شروع ہو گیا۔ وہ اس سے یہی سورۃ سنتی تھی اور جبریل کو جیسے یہ بات بھی یاد تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسے اندازہ ہوا کہ صرف سالار سکندر کی تلاوت اس پر اثر نہیں کرتی تھی۔۔۔ دس سال کی عمر میں اس کا بیٹا اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے اپنی ماں کو اسی طرح مسحور اور دم بخود کر رہا تھا۔ اس کی آواز میں سوز تھا۔ اس کا دل جیسے پگھل رہا تھا۔ ایسے جیسے کوئی ٹھنڈے پھاہوں کے ساتھ اس کے جسم کے رستے زخموں کو صاف کر رہا ہو۔
"فبای الاءِ ربکما تکذبٰن۔" (اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)
وہ ہر بار پڑھتا' ہر بار اس کا دل بھر آتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار تھیں۔ وہ شکر ادا نہیں کر سکتی تھی... اور سب سے بڑی نعمت وہ اولاد تھی جس کی آواز میں اللہ تعالیٰ کا وہ اعلان اس کے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ بار بار پہنچ رہا تھا۔
"ممی!" جبریل نے تلاوت ختم کرنے کے بعد بے حد مدھم آواز میں اسے پکارا۔ یوں جیسے اسے آنکھیں بند کیے دیکھ کر اسے خیال آیا ہو کہ شاید وہ تلاوت سنتے ہوئے سو گئی ہے اور وہ اسے جگانا نہ چاہتا ہو۔ وہ سوئی نہیں تھی لیکن سکون میں تھی جیسے کسی نے اس کے سر اور کندھوں کا بوجھ اتار کر اسے ہلکا کر دیا ہو۔
"جبریل! تم عالم بننا۔" آنکھیں بند کیے اس نے جبریل سے کہا۔ "تمہاری آواز میں بہت تاثیر ہے۔"
"ممی! مجھے نیورو سرجن بننا ہے۔" وہ ایک لمحہ خاموش رہا تھا اور پھر اسی مدھم آواز میں اس نے ماں کو اپنی زندگی کی اگلی منزل بتادی تھی۔
امامہ نے آنکھیں کھول لیں۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"میری خواہش ہے کہ تم عالم بنو۔" امامہ نے اس بار زور دے کر کہنا چاہا تھا۔ وہ نیورو سرجن کیوں بننا چاہتا تھا۔
"حمین زیادہ اچھا عالم بن سکتا ہے۔۔۔ میں نہیں۔" وہ الجھا جھجکا۔

"تم زیادہ لائق اور قابل ہو بیٹا۔"
"سوچوں گا۔ آپ سو جائیں۔" اس نے ماں سے بحث نہیں کی بات بدل دی۔

۞ ۞ ۞
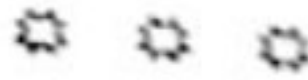
وہ دس سال کا تھا جب اس کے باپ کی موت ہوئی تھی اور اس موت نے اسے اس کی ماں اور اس کے بہن بھائیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ سب سے بڑا تھا۔ ماں باپ کا لاڈلا تھا۔ ایسی اولاد جس پر ماں باپ کو فخر تھا۔ اس کی ذہانت، قابلیت، سمجھداری، فرماں برداری سب۔۔۔ اور یہ اس کا کمال نہیں تھا یہ اس کی تربیت کا کمال تھا جو اس کے ماں باپ نے کی تھی۔ سب بہن بھائی ایسے ہی تھے۔ وہ ایک آئیڈیل خوش و خرم خاندان تھا۔ بے حد مذہبی نہیں تھا لیکن بڑی حد تک عملی طور پر مذہبی تھا۔

باپ کی موت اچانک ہوئی تھی اور وہ اس سے سنبھل نہیں سکا۔ اگلے کئی سال۔۔۔ وہ تعلیم میں دلچسپی لینے زندگی میں کچھ کرنے۔۔۔ اور بڑا نام بنانے کے اس کے سارے خوابوں کے بے۔

یہی وہ سال تھا اور یہی وہ سال تھا جب اس نے اپنے باپ کے ایک اچھے جاننے والے اور ان کے ہمسائے میں رہنے والے ایک خاندان میں بہت زیادہ آنا جانا شروع کر دیا۔۔۔ یہی وہ وقت تھا جب اس نے دنیا کے ہر مذہب میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔۔۔ ہر مذہب میں۔۔۔ اپنے مذہب کے علاوہ۔۔۔ اس خاندان نے اس کی زندگی کے ایک بہت مشکل مرحلے پر اس کی زندگی میں جیسے ایک اینکر ایک سپورٹ کا کام کیا تھا۔

وہ اگر گیارھویں سال میں محبت کا شکار ہوا تھا تو وہ امریکہ جیسے معاشرے میں کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اسے محبت نہیں کرش سمجھا جاتا تھا لیکن اسے یہ یقین تھا کہ اسے اس لڑکی سے محبت تھی اور وہ ہمیشہ اس لڑکی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا ان کے گھر کا حصہ بن کر۔ ان کے خاندان کا حصہ بن کر۔۔۔ اور ان کا مذہب اختیار کر کے۔۔۔ ان جیسا نام رکھ کر۔

۞ ۞ ۞
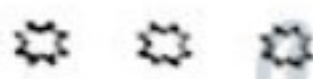
گرینڈ حیات ہوٹل کا بال روم اس وقت
Scripps National spelling Bee
کے 92 ویں مقابلے کے دو فائنلسٹس سمیت دیگر شرکا ان کے والدین، بہن بھائیوں اور اس مقابلے کو دیکھنے کے لیے موجود لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہونے کے باوجود اس وقت پن ڈراپ سائلنس کا منظر پیش کر رہا تھا۔

دونوں فائنلسٹ کے درمیان راؤنڈ 14 کھیلا جا رہا تھا۔ 13 سالہ ٹینی اپنا لفظ اسپل کرنے کے لیے اس وقت اپنی جگہ پر آچکی تھی۔ پچھلے 92 سالوں سے اس بال روم میں دنیا کے بیسٹ اسپلر کی تاجپوشی ہو رہی تھی۔ امریکہ کی مختلف ریاستوں کے علاوہ دنیا کے بہت سارے ممالک میں اسپیلنگ بی کے مقامی مقابلے جیت کر آنے والے پندرہ سال سے کم عمر کے بچے اس آخری راؤنڈ کو جیتنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ ایسی ہی ایک بازی کے شرکا آج بھی اسٹیج پر تھے۔

"Sassafras" ٹینی نے رکی ہوئی سانس کے ساتھ پروناؤنسر کا لفظ سنا۔ اس نے پروناؤنسر کو لفظ دہرانے کے لیے کہا پھر اس نے خود اس لفظ کو دہرایا۔ وہ چیمپئن شپ ورڈز میں سے ایک تھا لیکن غیری طور پر ا سے یاد

نہیں آسکا بہرحال اس کی ساؤنڈ سے وہ اسے بہت مشکل نہیں لگا تھا اور اگر سننے میں اتنا مشکل نہیں تھا تو اس کا مطلب تھا وہ تر کی لفظ ہو سکتا تھا۔

نو سالہ دوسرا فائنلسٹ اپنی کرسی پر بیٹھا، گلے میں لٹکے اپنے نمبر کارڈ کے پیچھے انگلی سے اس لفظ کو اسپیل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس کا لفظ نہیں تھا لیکن وہاں بیٹھا ہر وہ بچہ بھی غیر ارادی طور پر اس وقت یہی کرنے میں مصروف تھا جو مقابلے سے آؤٹ ہو چکا تھا۔

نینسی کا ریگولر ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ اس نے لفظ کو اسپیل کرنا شروع کیا۔ s-s-a-s وہ پہلے چار لیٹرز بتانے کے بعد ایک لمحے کے لیے رکی۔ زیر لب اس نے باقی کے پانچ لیٹرز دہرائے پھر دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"A-F-R" وہ ایک بار پھر رکی دوسرے فائنلسٹ نے بیٹھے بیٹھے زیر لب آخری دو لیٹرز کو دہرایا "U-S" مائیک کے سامنے کھڑی نینسی نے بھی بالکل اسی وقت یہی دو لیٹرز بولے اور پھر بے یقینی سے اس گھنٹی کو بجتے سنا جو اسپیلنگ کے غلط ہونے پر بجتی تھی۔ حیرت صرف اس کے چہرے پر نہیں تھی بلکہ اس دوسرے فائنلسٹ کے چہرے پر بھی تھی۔ پروناؤنسر اب Sassaf ras کی درست اسپیلنگ دہرا رہا تھا۔ نینسی نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کیں۔

"آخری لیٹر سے پہلے A ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں نے U کیا سوچ کر لگا دیا۔" اس نے خود کو کوسا۔

تقریباً "فق رنگت کے ساتھ نینسی کراہم نے مقابلے کے شرکا کے لیے رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ یہ رنر اپ کو کھڑے ہو کے داد دی جا رہی تھی تو سالہ دوسرا فائنلسٹ بھی اس کے لیے کھڑا تالیاں بجا رہا تھا۔ اس کے قریب پہنچنے پر اس نے نینسی سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا نینسی نے ایک مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواباً "وش کیا اور اپنی سیٹ سنبھال لی۔ ہال میں موجود لوگ دوبارہ اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے اور وہ دوسرا فائنلسٹ مائیک کے سامنے اپنی جگہ پر آ چکا تھا۔ نینسی نے کسی موہوم سی امید کے ساتھ اسے دیکھنا شروع کیا۔ اگر وہ بھی اپنے لفظ کو مس اسپیل کرتا تو وہ ایک بار پھر فائنل راؤنڈ میں واپس آجاتی۔

"That was a catch 22." اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ اداکو نہیں پتا کہ وہ اس کے لیے کہہ رہا تھا یا وہ اس لفظ کو واقعی اپنے لیے بھی catch 22 سمجھ رہا تھا... وہ جانتی تھی ایسا ہو کوئی بھی ہو تو... یہی چاہتا۔

سینٹر اسٹیج پر اب وہ نو سالہ فائنلسٹ تھا۔ اپنی شرارتی مسکراہٹ اور گہری سیاہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ۔ اس نے اسٹیج پر کھڑے چیف پروناؤنسر کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ جوناتھن جوابا" مسکرایا تھا اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ رکھنے والا وہاں واحد نہیں تھا۔ وہ نو سالہ فائنلسٹ اس چیمپئن شپ کو دیکھنے والے کراؤڈ کا سوئیٹ ہارٹ تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ چمکتی ہوئی تقریبا" گول آنکھیں جو کسی کارٹون کریکٹر کی طرح بے حد animated تھیں اور اس کے تقریبا" گلابی ہونٹ۔ جن پر وہ وقتا" فوقتا" زبان پھیر رہا تھا اور جن پر آنے والا ذرا سا خم بہت سے لوگوں کو بلاوجہ مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ معصوم فتنہ تھا، یہ صرف اس کے والدین جانتے تھے جو دوسرے بچوں کے والدین کے ساتھ اسٹیج کی بائیں طرف پہلی صف میں اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

وہاں بیٹھے دوسرے فائنلسٹ کے والدین کے برعکس وہ بے حد پرسکون تھے۔ ان کے چہرے پر ایسی کوئی ٹینشن نہیں تھی جب ان کا بیٹا چیمپئن شپ ورڈ کے لیے آکر کھڑا ہوا تھا۔ ٹینشن اگر کسی کے چہرے پر تھی تو وہ ان کی سات سالہ بیٹی کے چہرے پر تھی جو دو دن پر مشتمل اس پورے مقابلے کے دوران دباؤ میں رہی تھی اور وہ اب بھی آنکھوں پر گلاسز لگائے پورے انہماک کے ساتھ اپنے نو سالہ بھائی کو دیکھ رہی تھی جو پروناؤنسر کے لفظ کے لیے تیار تھا۔

"Cappelletti" جوناتھن نے لفظ ادا کیا۔ اس فائنلسٹ کے چہرے پر بے اختیار ایسی مسکراہٹ آئی جیسے وہ بمشکل اپنی ہنسی کو کنٹرول کر رہا ہو۔ اس کی آنکھیں پہلے کلاک وائز پھر اینٹی کلاک وائز گھومنا شروع ہو گئی تھیں۔ ہال میں کچھ کھلکھلاہٹیں ابھری تھیں۔

اس نے اس چیمپئن شپ میں اپنا ہر لفظ سننے کے بعد اسی طرح ری ایکٹ کیا تھا۔ بھنچی ہوئی مسکراہٹ اور گھومتی ہوئی آنکھیں... کمال کی خود اعتمادی تھی۔ کئی دیکھنے والوں نے اسے داد دی۔ اس کے حصے میں آنے والے الفاظ دوسروں کی نسبت زیادہ مشکل تھے۔ یہ اس کی ہارڈ لک تھی لیکن بے حد روانی سے بغیر اٹکے بغیر گھبرائے اسی پراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ وہ ہر پہاڑ سر کرتا رہا تھا اور اب وہ آخری چوٹی کے سامنے کھڑا تھا۔

Definition Please (تعریف؟) اس نے اپنا ریگولر ٹائم استعمال کرنا شروع کیا۔

"Language of origin." (زبان کا ماخذ؟)

اس نے پروناؤنسر کے جواب کے بعد اگلا سوال کیا۔ "اٹالین" اس نے پروناؤنسر کے جواب کو دہراتے ہوئے کچھ سوچنے والے انداز میں ہونٹوں کو دائیں بائیں حرکت دی۔ اس کی بہن بے حد پریشانی اور دباؤ میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے والدین اب بھی پرسکون تھے۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ لفظ اس کے لیے آسان تھا۔ وہ ایسے ہی تاثرات کے ساتھ پچھلے تمام الفاظ کو اسپیل کرتا رہا تھا۔

"Use in a sentence please." (اسے جملے میں استعمال کریں)

وہ اب پروناؤنسر سے کہہ رہا تھا۔ پروناؤنسر کا بتایا ہوا جملہ سننے کے بعد اس نے گلے میں لٹکے ہوئے نمبر کارڈ کی پشت پر انگلی سے اس لفظ کو اسپیل کیا۔

"Your Finish Time starts."

اسے ان آخری 30 سیکنڈز کے شروع ہونے پر اطلاع دی گئی جس میں اس نے اپنے لفظ کو اسپیل کرنا تھا۔ اس کی آنکھیں بالآخر گھومنا بند ہو گئیں۔

"Cappelleti" اس نے ایک بار پھر اپنے لفظ کو دہرایا اور پھر اسے اسپیل کرنا شروع ہو گیا۔

"C-a-p-p-e-l-l-" وہ اسپیلنگ کرتے ہوئے ایک لحظہ رکا پھر ایک سانس لیتے ہوئے اس نے دوبارہ اسپیل کرنا شروع کیا۔

"e-t-t-i-" ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور بہت دیر تک گونجتا رہا۔

اسپیلنگ بی کا نیا چیمپئن صرف ایک لفظ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

تالیوں کی گونج تھمنے کے بعد جو نا تھن نے اسے آگاہ کیا تھا کہ اسے اب ایک اضافی لفظ کو اسپیل کرنا تھا اس نے سر ہلایا۔ اس لفظ کو اسپیل نہ کر سکنے کی صورت میں ٹینسی ایک بار پھر مقابلے میں واپس آجاتی۔

"weissnichtwo۔" اس کے لیے لفظ پروناؤنس کیا گیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی پھر اس کا منہ کھلا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"اوہ! مائی گاڈ؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ شاکڈ تھا اور پوری چیمپئن شپ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی آنکھیں اور وہ خود اس طرح جامد ہوا تھا۔

ٹینسی بے اختیار اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ تو بالآخر کوئی ایسا لفظ آگیا تھا جو اسے دوبارہ چیمپئن شپ میں واپس لا سکتا تھا۔

اس کے والدین کو پہلی بار اس کے تاثرات نے کچھ پریشان کیا تھا۔ کیا crunch تھا ان کا بیٹا۔ اب اپنے نمبر کارڈ سے اپنا چہرہ حاضرین سے چھپا رہا تھا۔ حاضرین اس کی انگلیوں اور ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑی آسانی سے اسکرین پر دیکھ سکتے تھے اور ان میں سے بہت سوں نے اس بچے کے لیے واقعی بہت ہمدردی محسوس کی تھی۔ وہاں بہت کم ایسے تھے جو اسے جیتتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

ہال میں بیٹھا ہوا صرف ایک فرد ریلیکسڈ تھا۔۔۔ ریلیکسڈ؟۔۔۔ یا ایکسائٹڈ؟۔۔۔ کہنا مشکل تھا اور وہ اس بچے کی سات سالہ بہن تھی جو اب اپنے ماں باپ کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی اور جس نے بھائی کے تاثرات پر پہلی بار بڑے اطمینان کے ساتھ کرسی کی پشت کے ساتھ مسکراتے ہوئے ٹیک لگائی تھی۔ گود میں رکھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو بہت آہستہ آہستہ اس نے بے تابی کے انداز میں بجانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے بیک وقت اس کے تالی بجاتے ہاتھوں اور اس کے مسکراتے چہرے کو الجھے ہوئے انداز میں دیکھا پھر اسٹیج پر اپنے لرزتے کانپتے کنفیوزڈ بیٹے کو جو نمبر کارڈ کے پیچھے اپنا چہرہ چھپائے انگلی سے نمبر کارڈ کے پیچھے کچھ لکھنے اور رگڑنے میں مصروف تھا۔

ہال اب آہستہ آہستہ تالیاں بجا رہا تھا۔ وہ اب اپنا کارڈ نیچے کر چکا تھا یوں جیسے ذہنی تیاری کر چکا ہو۔ 92 ویں اسپیلنگ بی کے فائنل مقابلے میں پہلی بار پہنچنے والا وہ فاتح لسٹ اپنی قسمت آزمانے کے لیے تیار تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)